Year 2023; Vol 02 (Issue 02)

PP. 35-45 https://journals.gscwu.edu.pk/

راشدہ شفیع

پی ایچ ڈی اسکالر،شعبہ اقبال اسٹڈیز،دی اسلامیہ یونی ورسٹی،بہاول پور

ڈاکٹر محمد رفیق الاسلام

صدر نشین،ایسوسی ایٹ، شعبہ اقبال اسٹڈیز،دی اسلامیہ یونی ورسٹی،بہاول پور

Rashida Shafi

PhD Scholar, Department of Iqbal Studies, The Islamia University of Bahawalpur.

Dr.Muhammad Rafiq ul Islam

Chairman/Associate Professor, Department of Iqbal Studies, The Islamia University of Bahawalpur.

متروک کلام کی غرض و غایت اور متروکات کلام اقبال

The Purpose and Goal of Renounced Poetry and Allama Iqbal's Renounced Poetry

Abstract:

In this part of the paper the concept of renounced poetry, reasons for renouncing their own literary work of poets, and their purpose and goal are discussed by the researcher. In the second part, those features that caused the renouncement of certain poetry of our national poet Allama Iqbal are highlighted. On the one side, this reality has been highlighted in a way

that as in the early era of Urdu poetry, the linguists rejected a few words (originating from other languages) to make Urdu language courteous, elegant, and transparent. In the same way, some poets because of some reasons renounced and disowned their work. On the other side, the researcher has discussed the renounced work of Allama Iqbal to which he has described the causes of renouncement. Including these causes, the work of his youth age has been discussed which is dominated by the color of old traditional Urdu poetry, which later, on the ideological and intellectual basis was rejected and it was included in his renounced poetic cluster.

Keywords;

Poetry, Iqbal's acquaintances, renounced, classical traditions, *Revolutionary thoughts*

"متروک" لفظ مختلف معنوں میں مستعمل ہے جیسے ترک کردہ ،منقطع ،چھوڑا ہوا، جسے چھوڑ دیا جائے۔متروک سے مراد وہ لفظ یا محاورہ ہے جو پہلے مستعمل ہو مگر پھر غیر فصیح سمجھ کو ترک کر دیا گیا ہو۔ جب سے اردو زبان وجود میں آئی متروکات کا سلسلہ جاری ہے۔ ابتدا میں اس زبان کو ترقی دینے اور بہتر سے بہترین کی تلاش میں مختلف شعرا نے پہلے شعراءکے الفاظ کو ترک کر دیا ۔ میرو مرزا نے ولی و حاکم کے اکثر مستعملہ الفاظ ترک کر دیے، اسی طرح مومن و غالب اور ناسخ و آتش وغیرہ نے میر و مرزا کے بہت سے الفاظ متروک کر دیے جیسے اودھر، ایدھر، دوانہ بجائے دیوانہ ، بگا نہ بجائے بیگانہ ، ستی سوں سجن کرے ہے اور آئیاں ، جائیاں وغیرہ ۔ ان میں سے اکثر الفاظ تو وجوباً ترک کر دیے اور کچھ الفاظ ایسے ہیں جو کہیں کہیں استعمال بھی کئے ۔ تلامذہ نے بعد میں ان کے کچھ الفاظ ترک کر دیے۔ چنانچہ اردو زبان کے وہ الفاظ جن کو موجودہ زمانے میں شعراو ادبا نے لکھنا اور بولنا یا اپنے کلام میں استعمال کرنا بند کر دیا ہے"متروک الفاظ" کہلاتے ہیں۔ اردو کے وہ تمام الفاظ جواب متروک ہو چکے، ان سب کا لکھنا مشکل ہے مگر پھر بھی برائے معلومات خاص خاص متروک الفاظ حسب ذیل ہیں ۔ ان نے (اس نے) تلک (تک) ، آوے (آئے)کبھو (کبھی) ، ستی (سے)، ٹک (ذرا)، کن نے (کس نے)، کسو(کسی) ترت(فوراً) جانے ہے (جانتا ہے)، یوں کر(اس طرح)جاوے ہے(جاتا ہے)، آنکھیاں (آنکھ) تلے (نیچے)وغیرہ۔

مولوی فیروز الدین فیروز اللغات میں لکھتے ہیں :

"متروکات و قدیم الفاظ کے سوا تقریبا ستر ہزار مروجہ الفاظ محاورات ،ضرب الامثال اور سائنسی اصطلاحات میں ہرلفظ کا تلفظ دیا گیا ہے "۔[1]

جو زبان آج ہم تحریر و تقریر میں استعمال کرتے ہیں وہ ڈھائی سو سال پہلے اتنی صاف ستھری اور نکھری ہوئی نہ تھی جیسی آج ہے۔بہت سے ایسے الفاظ جن کو قدیم شعراء اور ادبا استعمال کرتے تھے بعد کے آنے والے اہل قلم نے انہیں بالکل چھوڑ دیا "متروک الفاظ"کہلاتے ہیں ۔ ولی دکنی اور میر تقی میر کے کلام میں متروک الفاظ کثرت سے پائے جاتے ہیں ۔

ولی دکنی کا شعر ملاحظہ ہو :

ولی تجھ زلف کی گر سحر سازی کا بیاں بولے
چلے پاتا ل سوں باسک سو پیچ و تاب اٹھ کر

(کلیات ولی،ص:۱۶)

میر تقی میر کا شعر ملاحظہ کیجئے:

جب کسونے نام لیا ہمارے آگے ترا
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا
کس نے سن شعر میر یہ نہ کہا
کہیو پھر ہائے کیا کہا صاحب

(کلیات میر،ص:۲۸)

مندرجہ بالا مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابتدائی دور کے مختلف شعرا کے کلام ۔ میں ہی ایسے الفاظ ملتے ہیں جواب متروک ہو چکےہیں۔

متروکات الفاظ کے ساتھ ساتھ متروکات شاعری کی مثالیں بھی اردو ادب کی تاریخ میں موجود ہیں ۔ جس طرح اردو زبان نے ترقی کی منازل ۔ طے کرتے کرتے فرسودہ الفاظ متروک قرار دے دیے۔ اسی طرح مختلف شعرا بھی اپنے کلام میں شعری پختگی آنے پر اپنے ہی کچھ کلام کو مسترد قرار دے دیتے ہیں ۔ اسے "متروکات شاعری"کہتے ہیں ، متروکات شاعری سے مراد وہ تمام اشعار یا کلام جسے شاعر اپنا ہوتے ہوئے بھی اپنا ماننے سے انکار کردےاور اس کے تخلیق کار ہونے سے دست بردار ہو جائے۔ اُس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر کسی نظم میں خوشامد کا عنصر شامل ہو اور شاعر کو محسوس ہو کہ اس کے حوصلہ افزا نتائج نہیں نکلیں گے یا اس کے معاشرے پر اچھے اثرات مرتب نہ ہوں گے یا ایسے اشعار جو کسی کی تعریف یا تنقید میں لکھے گئے ہوں اور شاعر اس سے مطمئن نہ ہو۔

ڈاکٹر قاسم جلال اس کی بابت یوں رقم طراز ہیں :

> ”ہر شاعر کے دل میں ترجیحاً یہ بات رہتی ہےکہ میں نے جو کچھ لکھا ہے ، اسے منظرعام پر آنا چاہیے۔ جب وہ اپنے کسی کلام کو منظر عام پر نہیں لانا چاہتا تو اس کی خواہش کو عام معمول کا حصہ نہیں سمجھنا چاہیے ۔عام حالات میں بھی شعرا نظموں اور غزلوں کے مجموعوں میں فرمائشی کلام، سہرے ، رخصتی، سالگرہ ، ولادت اور برسی کے موضوعات یا اپنے ابتدائی دورکا پختہ کلام شامل نہیں کرتے“۔[2]

سوال یہ ہے کہ شاعر کو اس امر کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے حالانکہ یہی کہا جاتا ہے کہ ہر شاعر کو اپنے کہے ہوئے اشعار اسی طرح پیارے لگتے ہیں جس طرح اپنے بچے پیارے ہوتے ہیں۔ اسی لئے اکثر دیکھاگیا ہے کہ جب کسی شاعر سے یہ پوچھا جائے کہ اسے اپنے کون سے اشعار زیادہ اچھے لگتے ہیں تو اس کا یہی جواب ہوتا ہے کہ یہ میری اولاد ہے اور یہ میرے لئے مشکل ہے کہ ایک کا انتخاب کروں اور دوسرے کو کم درجہ سمجھوں۔ یہ اور بات ہے کہ یہ انداز فکر غیر حقیقت پسندانہ او ر جذباتی ہے۔ بہر حال یہ بات طے ہے کہ کوئی شاعر بھی اپنی تخلیق . سے دست بر دارنہیں ہوتا اور امیر مینائی کادرج ذیل شعر اپنے موقف کی تائید کے لئے پیش کرتا ہے۔

خشک سیروں تن شاعر کا لہو ہوتا ہے
تب نکلتی ہے کہیں مصرع تر کی صورت

(دیوان امیر،ص:۱۰۵)

جب کوئی شاعر کہتا ہے کہ یہ میرا کام نہیں تو وہ حقیقتاً یہ سمجھتا ہے کہ اس میں وہ فکری وفنی اسقام ہیں جو نہ تو رفع ہو سکتے ہیں اور نہ انہیں اہل فن کبھی جائز سمجھ سکتے ہیں۔ اس لئے وہ ان کا جواز پیش کرنے کے بجائے انہیں رد کرنا زیادہ بہتر سمجھتا ہے۔ اس طرح وہ ہر اس الزام سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ جو اس کی بطور شاعر حیثیت کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔ جیسے غالب جسے شاعر نے اپنے دیوا ن میں یہ لکھ دیا تھا کہ اس کے علاوہ میرا کوئی کلام شائع ہو تو اسے میرا کلام نہ سمجھا جائے۔

مولانا عبدالحق لکھتے ہیں:

> "مرزا غالب نے اپنے کلام کا انتخاب شائع کیا تھا اور یہ لکھ دیا تھا کہ اس کے سوا کوئی میرا کلام پیش کرے تو ہر گز میرا کلام نہ سمجھا جائے۔ مگر باوجود اس کے ان کے پر ستاروں نے ان کا ایک ایک قصہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا اور شائع کیا ۔ اس تلاش میں وہ نسخہ بھی دستیاب ہوا جو مرزا نےتحفتاًبھوپال کے فوج دار خان کو پیش کیا تھا او ر جو"نسخہ حمید یہ" کے نام سے شائع ہوا"۔[3]

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بعض اوقات شعرا جب اپنے کلام کو شائع کرانا چاہتے ہیں تو انہیں اپنا کلام جمع کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔اور اسی دوران انِ کا اپنا کلام ہی مکمل طور پر جمع نہیں ہو پا تا اور شائع ہو نے سے رہ جا تا ہے ۔ جیسے ڈاکٹر علامہ اقبال ابتدا میں جو کلام لکھتے تھے وہ "مخزن" اور "زمیندار " میں چھپتا ر ہا اور جب انہوں نے اسے شا ئع کرنے کا ارادہ کیا تو اپنے دوست احباب اور مختلف رسالوں سے جمع کر کے شا ئع کیا ۔

سید عبدالواحدمعینی اس کی با بت یوں رقم طراز ہیں:

> "علامہ نے کبھی غالب کی طرح اشاعت کے لیے اپنے کلام کا انتخاب نہیں کیا تھا ۔بلکہ جب ان کو اپنے اردو کلام کی اشاعت کا خیال آیا تو علامہ نے اپنے احباب سے کلام جمع کر کے "بانگ درا" کو مرتب کیا تھا۔ اس سلسلے میں ایک صاحب عبدالغفور صاحب ڈپٹی سپرٹینڈنٹ پولیس کے پاس بہت نایاب ذخیرہ تھا ۔اس ذخیرے سے علامہ کو "بانگ درا" کی ترتیب میں بڑی مدد ملی مگر اس کے موجود علامہ مرحوم کو اپنی بہت سی نظموں کا تو خیال بھی نہیں رہا تھا"۔[4]

کوئی شا عر اگر اپنے ہی کلام سے دستبر دار ہوجاتا ہے تو وہ کیا فروگزا شتیں اور اسقام ہیں اور ان کے نقائص کے اسباب کیا ہیں؟

جب کو ئی شاعری کے میدان میں قدم رکھتا ہے تو اسے معلوم ہونا چا ہیے کہ شا عری کے لوازم کیا ہوتے ہیں ؟اور ان کا مفہوم کیا ہے ؟ بحور کیا ہوتی ہیں؟ زبان و بیان میں تلفظا ت کی کیا اہمیت ہوتی ہے؟ اسلوب کیا ہے؟ صنائع بدائع کیا ہیں؟ بندش الفاظ کا مفہوم کیا ہے؟ تمام ضروریات شعری کے تقاضے معلوم ہونے کے باوجود اگر وہ موضوعی، اسلوبی اور عروضی خامیوں کی پروا کیے بغیر تخلیق شعر کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ تو وہ دل میں یہ ضرور سوچتا ہے کہ اگر میرا کلام شائع ہو کر منظر عام پرآگیا تو مجھے کیا نقصان ہو سکتا ہے۔ اسی لیے اس کے پاس صرف ایک ہی راستہ ہوتا ہے کہ وہ اعلان کرے کہ میں نے اب تک جو کچھ لکھا چونکہ اس کی کسی استاد فن شعر سے اصلاح نہیں کرائی ۔ یہ میری مشق سخن کا ابتدائی دور تھا ۔ اس لئے میں باقاعدہ اس کلام کو اپنا کلام نہیں سمجھتا اسے میرا کلام تصور نہ کیا جائے اور مجھ سے منسوب بھی نہ کیا جائے وہ کلام میرا متروک کلام ہے ۔

بقول ڈاکٹر سید قاسم جلال :

> "اکثر شعرا اپنے ان خیالات کو محسوس تو کرتے ہیں۔ لیکن ان کا اظہار نہیں کرتے اور اپنے متروک کلام کو منظرعام پر نہیں لاتے تاکہ ان کی نیک نامی پر حرف نہ آئے یہی وجہ ہے کہ ہمیں قدیم و جدید میں اپنے کلام کو متروک قرار دینے والے شعرا زیادہ نظر نہیں آتے ۔

> چونکہ ایسے شعرا کی مثالیں زیادہ نہیں ۔ اس لئے ان کے نقادان میں سے گیان چند ، ڈاکٹرصابر کلوروی ، سید عبدالمجید اندرابی ، عبدالواحد معینی اور دیگر سکالرز نے کچھ زیادہ نہیں لکھا"۔[5]

جس نقاد نے علامہ اقبال کے متروک کلام کو مرتب و مدون کیا اس نے بھی متروکات کلام اقبال کو کتابی شکل میں جمع تو کر دیا لیکن ان اسباب پر روشنی نہیں ڈالی جو کلام کو متروک کرنے کا باعث بنے بلکہ اس بات کا برملا اظہار بھی کر دیا کہ میری کتاب اقبال کے متروک کلام کی جمع شدہ شکل ہے ۔ متروکات کی وضاحت نہیں۔ ڈاکٹر صابر کلوروی لکھتے ہیں:

> "راقم الحروف کو اس امر کا احساس ہے کہ اس کلیات میں نظموں کا پس منظر اور اختلاف متن شامل نہیں ہے اور نہ ہی متروکات کی وجہ بتائی گئی ہے۔"[6]

اسے اتفاق یا سوئے اتفاق سمجھیں کہ جس نے بھی متروکات کلام اقبال پر لکھنے کی کوشش کی وہ شاعر نہیں بلکہ نثر نگار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی حد تک تو اسے لکھنے میں کامیاب ہو گئے لیکن مکمل طور پر متروکات کلام اقبال کی غرض وعافیت پرروشنی نہ ڈال سکے۔ بقول ڈاکٹر قاسم جلال :

> "دورحاضر میں اقبال یا کسی دوسرے شاعر کے متروک کلام پر صرف وہی اہل قلم خانہ فرسائی کر سکتے ہیں۔ جو خود پختہ کار شاعر بھی ہوں۔ اوز ان وبحور پر کامل دستگاہ بھی رکھتے ہوں ، عروضی تقاضوں سے بھی بغوبی آگاہ ہوں ۔ اس میدان میں حائل دشواری یہ ہے کہ اب تک اقبال کے متروک کلام پر جس نے قلم اٹھایا ہے وہ نثر نگار ہیں شاعر نہیں۔"[7]

علامہ اقبال جیسے عظیم شاعر نے اپنا بہت سا کلام اگر متروک قرار دے دیا اور مستند مجموعہ کلام میں شامل کرنا پسند نہ کیا تو اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں جیسے جس دور میں "بانگ درا" طباعت واشاعت کے مراحل سے نکل کر منظر عام پر آئی اقبال کا معیار سخن بلند ہو چکا تھا۔ اسلوب بیاں اور بندش الفاظ کے معاملے میں بھی اقبال بہت سخت تھے۔ غلام رسول مہر کہتے ہیں۔

> "اقبال نے ان نظموں کو اولاً اس وجہ سے اپنے مستند مجموعہ کلام میں شامل کرنا پسند نہ فرمایا کہ جس زمانے میں "بانگ درا" مرتب ہوئی، شعر وسخن کے باب میں ان کا معیار بہت بلند ہو چکا تھا اوریہ نظمیں اس معیار پر پوری نہ اترتی تھیں۔ بندش اور اسلوب بیاں کے سلسلے میں وہ بڑے ہی سخت تھے۔"[8]

مولا نا گرامی کا ایک شعراقبال کو بہت پسند آیا اور اس پرتضمین لکھ دی ۔ لیکن اسے پیام مشرق میں صرف اس لئے شامل نہ کیا کہ اس کی بندش زیادہ پسند نہ آئی تھی اس بابت غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

"یہ تضمین اس لئے پیام مشرق میں شامل نہ کی ۔فرماتے ہیں: اس کی بندش کچھ زیادہ پسند نہ آئی ۔ جس بزرگ کی نگاہ بلند ، ایسی پاکیزہ نکتہ نوازوں کو صرف اس لئے ترک کر دیتی تھی کہ بندش زیادہ اچھی نہ تھی۔ اس نے اگر بہت سی نظموں کو اپنے مستند کلام میں شامل نہ کیا تو اس پر تعجب کی کون سی وجہ ہے۔"[9]

علامہ اقبال نے اس دور میں وادی شعر میں قدم رکھا جب اردو شاعری میں قدیم روایات اپنے جو بن پر تھیں۔ اس دور میں مجموعی طور پر شعری روایات ان موضوعات اور اسالیب اظہار پر مشتمل تھیں جو بالخصوص فارسی زبان کی صدیوں کے فکری و فنی تخلیقی رجحانات سے اخذ کردہ تھیں۔ اس لئے یہ بات بالکل درست ہے کہ اردو شاعری ، فارسی شاعر ی کا دودھ پی کر جوان ہوئی ہے۔علامہ اقبال کے نوجوانی کے دور میں اردو شاعری بالخصوص غزل میں حسن و عشق ، ہجروفراق ، دردو غم، آفات ، جام ، صراحی ، رقیب ، قفس، مجبوری ، بے بسی ، قنوطیت ، یا سیت، گل وبلبل ، لب ورخسار اور دیگر متفرق موضوعات پر اپنی شاعری کی بنیاد رکھی۔ اقبال کی ابتدائی شاعری قدیم شعرا کے رنگ شاعری میں رنگی ہوئی ہے۔ یہ اشعار اقبال کے قدیم شعری رنگ کے حامل ہیں۔ مثلاً

نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی
تمہارے پیامی نے سب راز کھولا
خطا اس میں بندے کی سرکار کیا تھی
بھری بزم میں اپنے عاشق کو تاڑا
نظر اس کی مستی میں ہشیار کیا تھی

(بانگ درا،ص:۱۰۸)

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب ! رہنے والے ہیں

(بانگ درا،ص: ۱۱۱)

ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

(بانگ درا،ص: ۱۱۵)

اقبال کی یہ اس زمانے کی شاعری ہے جب انہوں نے معروف استاد شاعر نواب مرزا خان داغ دہلوی کے آگے زانوے ، تلمذ تہ کیا۔ ظاہر ہے کہ جب استاد سے کسبِ فیض کیا تو اس کے رنگِ کلام کا ان کی شاعری میں درآنا ایک فطری بات تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے اپنا وہ تمام کلام جو تعلیم و تربیت اور حقیقی مسلمان کی زندگی کا محور ومرکز نہیں بن سکتا تھا متروک قرار دے دیا۔ غلام رسول مہر "سرود رفتہ"کے "پیش لفظ "میں یوں لکھتے ہیں:

> "اقبال صرف انہی نظموں کو محفوظ رکھنے پر رضامند تھے ،جو تعلیم و تربیت کے لحاظ سے کائنات اور انسانیت کے لئے مفید ہو سکتی تھیں۔ یعنی جو ان کے خاص پیغام ، خاص تعلیم اور حقائقِ حیات کی حامل تھیں۔ جن کے ذریعے سے انسان اپنے حقیقی وظائف و مقاصد بہتر طریق پر بجا لانے کے اہل بن سکتے تھے جو نظمیں موضوع ، فکر و خیال اور ترتیب و ترکیب کے لحاظ سے اس میزان پر پوری نہ اترتی تھیں، انہیں محفوظ رکھنے کے لئے وہ تیار نہ تھے۔"[10]

اقبال روایتی شاعری کے ساتھ ساتھ انگریزوں کے ہندوستان پر تسلط، ان کی ہندونوازی اور مسلمانوں کی زبوں حالی اور غلامانہ ذہنیت کا بغور جائزہ لے رہے تھے ۔ خصوصاً حالی کی قومی شاعری نے ان کے افکار پر اثر ڈالا اور کسی کا یہ قول بالکل صداقت پر مبنی ہے کہ " اگر حالی نہ ہوتے تو اقبال بھی نہ ہوتے " اقبال جب حصول تعلیم کے لئے یورپ گئے تو وہاں انہیں تہذیب مغرب کا اصل چہرہ دیکھنے کا موقع ملا۔ انھوں نے اسلام کا گہرا مطالعہ کیا ۔ انہوں نے مشرق و مغرب کا تقابلی جائزہ لیاتو ان کا اندر کا مومن جاگ اٹھا اور انہوں نے برملا ایک طرف اہل مغرب کو کہا کہ :

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پر آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

(بانگ درا،ص: ۱۴۷)

دوسری طرف اہل ہند کو مخاطب کرکے کہا :

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

(بانگ درا، ص: ۸۴)

اس صورت حال میں اقبال کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ گل و بلبل اور جام و مینا کے موضوعات کی حامل اردوشاعری نہ صرف حقائق سے دور ہے بلکہ مسلم امہ کے لئے نقصان دہ ہے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے وہ تمام شاعری جو

کسی خاص موقعے پر یا کسی خاص تناظر میں لکھی یا سطحی موضوعات کی حامل تھی متروک قرار دے دیا،جس میں طنزیہ ، مزاحیہ ،فرمائشی اور ستائشی کلام وغیرہ شامل ہے ۔

ڈاکٹر صابر کلوروی اس حوالے سے اپنی رائے دیتےہوئےلکھتے ہیں:

> "احباب کی فرمائش بھی بعض اوقات اقبال کو شعر گوئی پر مجبور کر دیتی تھیں۔ اس طرح کا کلام اقبال کی تاریخ گوئی میں بھی موجود ہے۔ باقیات شعر اقبال کی بعض دیگر نظمیں بھی اسی قبیل کی ہیں مثلاً نظم "شکریہ"ان کے حیدرآباد کے روابط کی مظہر ہے۔....." شکر یہ انگشتری" منشی سراج الدین سے علامہ کے مخلصانہ تعلقات کی مظہر ہے ۔ ملکہ وکٹوریہ کا انتقال ہوا تو سر ذولفقار علی خان کی فرمائش پر وہ اشک خون لکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ پنجاب کا خواب ، مائیکل اڈوائر ، گورنر پنجاب کی فرمائش پر لکھی جاتی ہے ۔ لاٹ صاحب اور ڈائریکٹر۔ کا خیر مقدم بھی اسی قبیل کی نظم ہے"۔[11]

اقبال نے جب لندن میں اپنے استاد پروفیسر آرنلڈ سے کہا کہ میں شاعری کو ترک کرنا چاہتا ہوں تو ان کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہو چکا تھا کہ ایسی اپنی شاعری سے دست بردار ہونا اور اسے متروک قرار دینا ان کے لئے ضروری ہے جو فرضی اور مصنوعی موضوعات کی حامل ہےاور بنی نوع انسان کو خصوصاً مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا باعث ہو سکتی ہے۔ انہوں نے جب پروفیسر آرنلڈ کی ہدایت کے مطابق یہ سوچا کہ شاعری کو ترک کرنے کی بجائے اصلاحِ قوم اور تعمیرِ اخلاق کے لئے ذریعہ بنایا جا سکتا ہے تو انہوں نے راست گوئی اور فکر افروزی کو اپنا مشن بنا کر اپنی سابقہ شاعری کو متروک قرار دینے کا عزم بالجزم کیا ۔ علامہ اقبال کا بیشتر متروک کلام ان کے جوانی کے دور کا کلام ہے ۔ معروف محقق گیاں چند لکھتے ہیں :

> "اقبال کی شاعری کی ابتدا غزل گوئی سے ہوئی ۔ ایک عرصے تک وہ اپنے استاد داغ کے رنگ میں کہتے رہے۔ بیسویں صدی میں آہستہ آہستہ وہ اس رنگ سے ہٹ کر اپنا نیا راستہ بنانے لگے۔ داغ کے رنگ کی جملہ غزلیں متروک ہو گئیں۔ لیکن "با نگ درا" میں اس رنگ کی محض ایک غزل باقی رکھی ہے "۔[12]

ہر اہم شاعر کی طرح علامہ اقبال بھی چاہتے تھے کہ ان کا کلام خوب سے خوب تر حالت میں شائع ہو کر منظر عام پر آئے۔ کوشش کے باوجود وہ اپنے کلام کی ترتیب وتدوین میں زیادہ فعال نہ ہو سکے۔ ان کی بیشتر تخلیقات پہلے ادبی رسائل میں شائع ہوئیں اور بعد میں انہیں کتابی شکل میں مدون کیا گیا۔ رسالوں کو ارسال کردہ نظمیں اور غزلیں اصلاح سے نہیں سنور سکتی تھیں انہیں مسترد کر دیا گیا۔ اپنی

اولاد معنوی (شاعری) کو یوں بے دھڑک مسترد اور متروک کر دینا بڑے دل گردے کا کام تھا جو اقبال نے انجام دیا۔

اقبال نے اپنے کلام کا بیشترحصہ اس لئے حذف کیاکہ ان کے ابتدائی دور کے کلام میں چونکہ بعض قومی ،سیاسی اور عالمی افکا ر پختہ نہ تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ جب ان کے فکرو نظر میں تبدیلیاں واقع ہوئیں تو انہوں نے سوچا کہ اب حالات و واقعات تبدیل ہو چکے ہیں اس لئے انہیں چھوڑ دینا بہتر ہے ۔ اور اسی لئے انہوں نے اپنا ان موضوعات پر مبنی کلام مسترد کر دیا۔

بقول گیان چند جین :

> ”انھوں نے (اقبال نے)محسوس کیا کہ ان کے نظریہ قومیت و وطنیت ، سیاسی اغراض ومقاصد اور زاویہ ہائے فکرو نگاہ میں تجربات کی کشمکش اور حوادث کی آمیزش سے کچھ ایسا تغیر واقع ہوا تھا کہ جس کے پیش نظر سابقہ خیالات و احساسات کو بتمام و کمال منظر پر لانا اقضائےخلوص و نیک نیتی کے منافی تھا“۔[13]

معترضین فکرو فن اردو زبان و بیان کے اسقام کی وجہ سے بھی اقبال کے کلام پر اعتراض کرتے تھے۔ موجودہ دور میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں۔ اقبال نے اس وجہ سے بھی اپنی بہت سی ان نظموں اور غزلوں کو اپنے کلام سے خارج کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں ایسی نظموں کو بھی متروک کلام میں شامل کیا ،جن میں سہرے ،علاقائیت ، وطنیت ، عشقِ مجازی ، علما و واعظین کی مذمت اور اہل اقتدار کی مدح کے موضوعات شامل تھے ۔ان کے چند متروک نظموں کے عنوانات درج ذیل ہیں ۔ فلاح قوم ، عیش جوانی ، یتیم کا خواب ، اسلامیہ کالج کا خطاب ،پنجاب کے مسلمانوں کو، فریاد امت ، پنجہ فولاد ،اشک خون ، ہندوستانی بچوں کا گیت ، شیشہ ساعت کی ریگ ، عورت ، اور قطرہ اشک ۔ اقبال نے اپنے کلام میں سے جن نظموں اور غزلوں کو مکمل یا جزوی طور پرمسترد کیا اس کے یہ درج بالا چند پہلو ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس کلام پر اقبال کے نظریات و افکار پر انگشت نمائی کی جا سکتی تھی اور وہ ان کے خراج اور مسلک کو کمزور کرتے تھے خصوصا جو اشعار ان کے فلسفہ فکر کو کمزور کرتے تھے وہ اقبال نے اپنے متروک کلام میں شامل کردیے۔ یہ اور بات کہ ان کی خواہش کے برعکس ان کی وفات کے بعد اقبال شناسوں نے ان کا متروک کلام بھی شائع کر دیا۔ اس سے فائدہ یہ ہوا کہ دور جدید کے نقاد اور اسکالرز کو اس متروک کلام سے فکر اقبال کے ارتقا پذیر افکار کو سمجھنے کا موقع ملا۔ ان کا یہ کام بھی یقینا ادب کی ایک بڑی خدمت ہے۔ "نسخہ حمیدیہ " جو غالب کی متروک کلام پر مشتمل ہے اپنی الگ پہچان اور مقام رکھتا ہے اسی طرح علامہ محمد اقبال کے متروک کلام ازسر نو توجہ دینے اور اس کے توسط سے فکرِ اقبال کی بہتر تفہیم کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات

1. فیروز الدین ، مولوی ، رنگین فیروز اللغات اردو ،(لاہور ،راولپنڈی ، کراچی:فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، ۲۰۱۶ء)، فلیپ
2. سید قاسم جلال ، ڈاکٹر ، بالمشافہ ملاقات ،(بہاول پور : بر سکونت گاہ ، نیو مسلم ٹاون ، ۱۷مئی۲۰۲۳ء)
3. عبدالواحد معینی ،سید ،با قیات اقبال ،(لاہور : نقوش پریس ،۱۹۶۶ء)، ص:۱۳
4. ایضاً،ص:۹
5. سید قاسم جلال ، ڈاکٹر ، بالمشافہ ملاقات ،(بہاول پور: بر سکونت گاہ ، نیو مسلم ٹاون ، ۱۷مئی۲۰۲۳ء)
6. صابر کلوروی ، ڈاکٹر ، کلیات باقیات شعرا قبال ،(لاہور:اقبال اکاومی ،س ن،)ص: ۱
7. قاسم جلال بحوالہ بالا
8. غلام رسول مہر ، صادق علی دلاوری ، سرودرفتہ ، (لاہور :کتاب منزل ، شیخ غلام علی اینڈ منزل ، ۱۹۵۹ء)، ص :۷
9. ایضاً ، ص : ۷
10. ایضاً ،ص :۸
11. صابر کلوروی، ڈاکٹر ، متروکات باقیات شعر اقبال،(لاہور:اقبال اکادمی) ، ص: ۸
12. گیان چند، ڈاکٹر ، ابتدائی کلام اقبال بہ ترتیب ماہ و سال ،(حیدر آباد : اردو ریسرچ سنٹر،۱۹۴۰ ء)،ص:۲
13. ایضاً، ص:۱۹